بسم الله الرحمن الرحيم

فلسفہ ء علم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَا لْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنo وَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اٰخَرْ یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوْا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍo سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَo وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

تخلیق انسانی کا مقصد :

اللہ رب العزت نے انسان کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا۔ اس کی پیدائش سے پہلے زمین و آسمان بنائے۔ یہ چاند اور تارے' یہ مرغزاریں' یہ آبشاریں' یہ گلشن کی بہاریں اللہ رب العزت نے انسان کیلئے بنائیں اور انسان کو اللہ رب العزت نے اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا۔

کسی شاعر نے اس مضمون کو یوں بیان کیا ہے :

جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کیلئے

ایک اور شاعر نے کہا :

کھیتیاں سر سبز ہیں تیری غذا کے واسطے
چاند سورج اور ستارے ہیں ضیاء کے واسطے
بحر و بر شمس و قمر ما و شما کے واسطے
یہ جہاں تیرے لئے ہے تو خدا کے واسطے

یہ دنیا کی تمام نعمتیں اللہ رب العزت نے انسان کیلئے پیدا کیں اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر تھے کہ عالم ارواح میں ہی انسان کو ولایت عطا کر دیتے، مگر اس کے حصول کیلئے اسے دنیا میں بھیجا۔ اسے سر عطا کیا تو سجدے کیلئے زمین بھی عطا کی، پاؤں دیئے تو چل کر جانے کیلئے مسجد بھی عطا کی، اس کو ہاتھ دیئے تو خرچ کیلئے مال بھی عطا کیا تاکہ یہ انسان اپنے جسم کو نیکی میں استعمال کرے اور اپنے پروردگار کا قرب حاصل کر سکے۔ ہر کام اللہ رب العزت کے حکموں اور نبی اکرم ﷺ کے طریقوں کے مطابق کرنا بندگی میں شامل ہے۔ بندہ وہی ہوتا ہے جس میں بندگی ہو ورنہ تو سراسر گندہ ہوتا ہے، جھوٹ اور فریب کا پلندہ ہوتا ہے۔

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

علم کی ضرورت

وصول الی اللہ کا راستہ تین قدم ہے۔ جب تک تینوں قدم نہیں اٹھیں گے اس وقت تک منزل پر نہیں پہنچیں گے۔ اس میں پہلا قدم علم کا حاصل کرنا ہے۔

بے علم نتواں خدارا شناخت

یعنی بے علم انسان اپنے پروردگار کو نہیں پہچان سکتا۔ گویا علم اس راستہ کی ضرورت ہے۔ ہم اس تصوف کے قائل نہیں جو علم سے انسان کو روکتا ہو۔ وقتی طور پر کسی

مشغولیت کو روکنا اور چیز ہے اور علم کی مخالفت کرنا اور چیز ہے۔ چونکہ آدمی کے ساتھ ہر وقت مفتی تو نہیں ہوتا' اس لئے کون بتائے گا کہ کس کام کی اجازت ہے اور کس کام کی اجازت نہیں ہے؟ اس لئے ضروریات دین کا علم جاننا ہر آدمی کیلئے ضروری ہے۔ کئی لوگ اپنی جہالت پر پردہ ڈالنے کیلئے کسی بزرگ کا ایسا کلام پیش کر دیتے ہیں۔ جو انہوں نے کسی خاص حالت میں کہا تھا۔ لہٰذا فوراً کہہ دیتے ہیں:

علموں بس کریں او یار

یعنی بس کر علم سے اے دوست۔ جی ہاں' وہ کہا تھا' مگر کچھ سابقہ اور لاحقہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کیوں کہا تھا۔ فقط اس فقرے کو پیش کریں گے تو خیانت ہوگی' صحیح بات پیش نہیں ہو سکے گی اور ان بزرگوں پر خواہ مخواہ کا الزام آئے گا۔ کیونکہ علم کے بغیر بزرگی مل ہی نہیں سکتی۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ہم دو دوست تھے۔ اور دونوں سلوک میں ایک ہی جذبے کے ساتھ لگے۔ اس دوست سے میں اس لئے آگے بڑھ گیا کہ اللہ رب العزت نے مجھے دوسرے سے علم زیادہ عطا کیا تھا۔ جی ہاں' زیادہ علم والا جب اس راستے پر چلتا ہے تو بلندیاں بھی زیادہ پایا کرتا ہے۔ اس لئے کہ جیسے گدھا اور گھوڑا برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح عالم اور جاہل بھی برابر نہیں ہو سکتے۔

انسانی بدن میں اعضاء کی تین قسمیں:

اللہ رب العزت نے انسان کے اندر تین طرح کے اعضاء بنائے ہیں

(1) اعضائے علم (2) اعضائے عمل (3) اعضائے مال

اعضائے علم۔ یعنی علم حاصل کرنے کے اعضاء کان' آنکھ اور دماغ ہیں۔ ان تینوں راستوں سے انسان علم حاصل کرتا ہے۔ کچھ علم سن کر حاصل کرتا ہے۔ مثلاً

چھوٹا بچہ جو زبان سیکھتا ہے وہ پڑھ کر تو نہیں سیکھتا۔ ماں باپ انگلش بولتے ہیں تو وہ چھوٹا سا بچہ انگلش کے الفاظ بولنا شروع کر دیتا ہے۔ ماں باپ عربی بولتے ہیں تو وہ معصوم بچہ عربی بولنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کو زبان کا جتنا علم حاصل ہو رہا ہے وہ فقط سننے کے راستے سے حاصل ہو رہا ہے۔ اسی طرح کچھ علم انسان دیکھنے کے راستے سے حاصل کرتا ہے اور کچھ سوچ بچار سے حاصل کرتا ہے۔ گویا سماعت' بصارت اور عقل علم حاصل کرنے کے تین ذرائع ہیں۔ اور قیامت کے دن انہی اعضائے علم ہی کے بارے میں بالخصوص سوال کیا جائے گا۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں: اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا پوچھیں گے کہ ان ذرائع سے کونسا علم حاصل کیا؟ دین کا علم حاصل کیا یا تم نے انہیں بے وقعت اور معمولی چیزوں پر ضائع کر دیا۔

اعضاء کی دوسری قسم اعضائے عمل کہلاتی ہے۔ یعنی انسان کے وہ اعضاء جو عمل کرتے ہیں' جیسے ہاتھ اور پاؤں۔

اور اعضاء کی تیسری قسم اعضائے مال کہلاتی ہے' جیسے پھیپھڑے اور معدہ' جن میں خون ہوتا ہے۔ گویا یہ مال ہے جو ان اعضاء میں جمع ہے۔ اگر یہ مال غذا یا خون کسی عضو میں جمع ہی رہے اور آگے نہ نکلے تو تعفن (Infection) پھیل جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر کسی کے پاس مال جمع رہے' خرچ نہ ہو تو وہ بھی فساد کا باعث بنے گا۔

اعضائے ترکیب میں حکمت:

اعضائے علم چونکہ سب سے زیادہ وقعت والے ہیں اس لئے اللہ تعالی نے ان کو سر میں سجایا۔ آپ دیکھیں کہ سماعت' بصارت اور عقل انسان کے سر میں ہیں۔ اعضائے عمل چونکہ مزدور قسم کے اعضاء ہیں اس لئے ان کو سب سے نیچے بنایا' ہاتھ اور پاؤں

سب سے نیچے۔ اور درمیان میں انسان کا معدہ اور پھیپھڑے ہیں جن کو اعضائے مال کہا جاتا ہے۔

تحصیل علم ایک فطری جذبہ ہے :

انسان کے اندر کچھ جذبات فطری ہیں۔ مثلاً بھوک اور پیاس کا لگنا۔ اسی طرح علم کا حاصل کرنا بھی انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ آدمی صبح اٹھتے ہی اخبار کے پیچھے بھاگتا ہے۔ اسے اخبار پڑھنے کا ایسا شوق ہوتا ہے کہ ناشتے میں مزہ ہی نہیں آتا جب تک اخبار نہ پڑھ لے، ٹی وی ریڈیو پر خبریں نہ سن لے، دوسروں سے Discuss (بحث) نہ کر لے کہ جی کیا ہوا؟ فلاں نے کیا کیا؟ اچھا، پھر حالات کیا ہیں؟ ہم ایک دوسرے سے یہ جتنی باتیں کر رہے ہوتے ہیں، حقیقت میں ہم اس جذبے کو مطمئن کر رہے ہوتے ہیں۔

ایک اور مثال سن لیجئے۔ چند آدمی کہیں جمع دیکھیں تو ہر بندہ پوچھتا ہے کہ جی کیا ہوا؟ اب یہ جو ہم پوچھ رہے ہیں کہ کیا ہوا، یہ حقیقت میں علم حاصل کرنے کا فطرتی جذبہ ہے جس کی وجہ سے ہم ایسی چیز کو جاننے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں جس کا ہمیں پتہ نہیں ہوتا۔ اسی لئے ضروریات دین کا علم حاصل کرنا انسان پر فرض فرمایا۔

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَةٍ۔

علم ایک نور ہے :

حدیث پاک میں آیا ہے، علم ایک روشنی ہے۔ اس کے برعکس دیکھا جائے تو جہالت اندھیرے کی مانند ہے۔ جس طرح روشنی کے بغیر راستہ نظر نہیں آتا اسی طرح علم کے بغیر انسان کو شریعت کے راستہ کا پتہ نہیں چلتا۔ اگر آپ نے کسی جگہ سے اندھیرا دور کرنا ہو تو اس کا علاج یہ تو نہیں کہ آپ اندھیرے کو گالیاں دیں، کوسیں یا

جھڑکیاں دیں کہ نکل جا یہاں سے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ چراغ جلائیے' اندھیرا خود بخود غائب ہو جائے گا۔ اگر جہالت ہے تو اس کے دور کرنے کا طریقہ یہ تو نہیں کہ الٹا علم کی مخالفت کی جائے یا جہالت پر پردہ ڈالا جائے اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ علم حاصل کریں' جہالت خود بخود ختم ہو جائے گی۔

پہلی وحی میں تحصیل علم کی تلقین :

قرآن پاک جب نازل ہوا تو پہلا لفظ جس سے اللہ رب العزت کی وحی فخر انسانیت نبی اکرم ﷺ کو نصیب ہوئی وہ تھا "اِقْرَاْ" اس کا مطلب ہے "پڑھ" "پڑھنے کے لفظ سے گویا وحی کی ابتداء کی گئی جس سے پتہ چلا کہ پڑھنا یا **علم** حاصل کرنا اس دین متین میں کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔ اب یہاں کوئی بندہ یہ کہہ سکتا ہے کہ جی صرف پڑھنے کی بات ہوئی ہے۔ مگر نہیں' آگے بھی بات کی گئی ہے **اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ٥ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ٥ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ** تو پڑھ قرآن تیرا رب کرے گا تیرا اکرام۔ کون پروردگار؟ **اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ** جس نے آپ کو قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ تو قلم کا لفظ بتا کر بات واضح کر دی کہ صرف پڑھنا ہی نہیں بلکہ لکھنا بھی اس میں ضروری ہے۔ ہمارا دین ایسا عظمتوں والا دین ہے کہ جس نے چودہ سو سال پہلے' جب جہالت کا دور دورہ تھا' لکھ پڑھ کر علم حاصل کرنے کی اتنی اہمیت بیان فرما دی۔ اور یہ باتیں کس کی زبان سے کروائی گئیں؟ ایسے محبوب ﷺ کی زبان سے جو خود فرماتے تھے کہ میں تو اُمّی ہوں' میں تو ان پڑھ ہوں۔ واہ میرے پروردگار! لکھے پڑھے کی زبان سے بات ہوتی تو دنیا کہتی کہ اس نے اپنی تعلیم کے ذریعہ اس بات کی اہمیت کو جان لیا تھا' مگر نہیں۔ سبحان اللہ

علمائے کرام کا احسان :

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر نیک نیت ہو تو طالب علم سے افضل کوئی نہیں۔ جی ہاں، حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر علماء نہ ہوتے تو آج انسان جانوروں کی سی زندگی گزار رہے ہوتے۔ یہ علماء کا احسان ہے کہ انسان کیلئے دین کا سمجھنا آسان ہو گیا۔ اللہ رب العزت نے یہ اعزاز علماء ہی کو عطا فرمایا کہ وہ دین کے حامل ہیں، ناشر ہیں، داعی ہیں اور ایک سے دوسرے سینے تک پہنچانے والے ہیں۔

علم اور معلومات میں فرق :

علم اور معلومات میں فرق ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے طلباء سے پوچھا، علم کسے کہتے ہیں؟ کسی نے کہا، جاننا۔ کسی نے کہا، پہچاننا۔ کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ۔ حضرت خاموش رہے۔ طلباء نے عرض کیا، حضرت! آپ ہی بتا دیجئے۔ حضرت نے فرمایا! علم وہ نور ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد اس پر عمل کئے بغیر چین نہیں آتا۔ کیونکہ وہ تمام خبریں جو انسان کے دماغ میں تو موجود ہیں مگر عمل نہیں، تو وہ معلومات کہلائیں گی۔ اسی لئے شریعت مطہرہ نے علم نافع مانگنے کا حکم دیا ہے۔ نبی علیہ السلام دعائیں مانگتے تھے کہ "اے اللہ! مجھے علم نافع (نفع دینے والا علم) عطا فرما"۔ علم نافع وہی ہوتا ہے جس پر عمل کیا جائے اور اگر فقط معلومات ہوں تو یہ وبال بن جاتی ہیں۔

بے عمل پیر اور بے عمل عالم شریعت کی نظر میں :-

قرآن پاک میں بے عمل پیروں کو کتوں کی مثل قرار دیا گیا اور بے عمل عالموں کو گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ بلعم باعور جو بنی اسرائیل کا صوفی اور پیر تھا وہ راستہ سے ہٹا، اس کا پاؤں پھسلا اور وقت کے نبی کے خلاف ہو کر اپنے مقام سے نیچے گرا تو اس

کے بارے میں اللہ تعالی نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایافَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اس کی مثال تو کتے کی مانند ہے۔ اور علمائے یہود میں سے جنہوں نے دین پر عمل نہ کیابلکہ اپنی خواہشات کو پورا کرنے کیلئے اس میں تحریف کی' اللہ تعالی نے ان کے بارے میں فرمایا كَمَثَلِ الْحِمَارِ گدھے کی مانند ہیں يَحْمِلُ اَسْفَارًا جن کے اوپر بوجھ لدا ہوا ہوتا ہے۔

عمل کی ضرورت

اللہ رب العزت جسے علم عطا فرمائیں وہ بڑا خوش نصیب انسان ہے کہ ایک قدم تو اسے سلوک کے راستہ پر اٹھانے کی توفیق عطا فرمائی۔ مگر یاد رکھیں کہ ابھی کام ختم نہیں ہوا بلکہ ابھی کام شروع ہوا ہے۔ اس سے اگلا قدم ہے عمل کرنا۔ ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ علم عمل کے دروازہ پر دستک دیتا ہے' کھل جائے تو فبہا اور نہ کھلے تو ہمیشہ کیلئے رخصت ہو جاتا ہے۔ اور واقعی آپ دیکھیں گے کہ جن حضرات کا اپنے علم پر عمل نہیں ہوتا' وہ تھوڑے ہی عرصہ میں علم سے خالی ہو جاتے ہیں' فقط علم کا نام رہ جاتا ہے مگر علم کی حقیقت ان کے دلوں سے اٹھالی جاتی ہے' گویا یہ علم مہمان ہوتا ہے جب تک کہ عمل کی شکل میں نہ ڈھل جائے۔ علمائے راسخین تب بنتے جب اس علم پر ان کا عمل ہو جاتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ اَلْعِلْمُ بِلَا عَمَلٍ كَشَجَرٍ بِلَا ثَمَرٍ علم بغیر عمل کے ایسا ہے جیسے کوئی درخت بغیر پھل کے ہوا کرتا ہے۔

علم میں وزن عمل کی وجہ سے :

ایک علمی نکتہ بیان کر دیتا ہوں کہ جب تک علم پر عمل نہ کیا جائے اس وقت تک

علم میں وزن نہیں آتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب پہلی وحی نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ گھبرا گئے۔ آپ ﷺ گھر پہنچ کر فرمانے لگے' زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ۔ دَثِّرُوْنِیْ دَثِّرُوْنِیْ (مجھے چادر اوڑھادو) آپ ﷺ نے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ہلاک نہ کر دیا جاؤں۔ آپ ﷺ کی اہلیہ محترمہ نے جواب دیا، کَلَّا ہرگز نہیں۔ اس کی دلیل کے طور پر کہا' اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ آپ تو صلہ رحمی کرنے والے ہیں' وَتَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ اور بے مایہ لوگوں کو کما کر دینے والے ہیں وَتَحْمِلُ الْکَلَّ اور بے مایہ لوگوں کا بوجھ اپنے اوپر اٹھانے والے ہیں وَتُقْرِیْ الضَّیْفَ اور مہمان نوازی کرنے والے ہیں وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ اور حق باتوں کی مدد کرنے والے ہیں۔

محدثین نے یہاں ایک نکتہ لکھا ہے کہ سیدہ خدیجہؓ نے آپ ﷺ کے علمی کمالات کو دلیل کے طور پر پیش نہیں فرمایا کہ اے اللہ کے محبوب ﷺ! آپ پر قرآن نازل ہو رہا ہے' آپ نبی ہیں' آپ سید الاولین والآخرین ہیں۔ اور نہ ہی اس قسم کے فضائل و خصائل بیان کئے ہیں۔ بلکہ وہ باتیں کہیں جو آپ ﷺ کے عمل سے تعلق رکھتی تھیں۔ معلوم یہ ہوا کہ سیدہ خدیجہؓ کی نظر عمل پر تھی' اس لئے وہ نبی اکرم ﷺ کی صحبت یافتہ ہونے کی وجہ سے جانتی تھیں کہ انسان کے اندر جب علم کے بعد عمل آتا ہے تو اللہ رب العزت ایسے بندے کو ضائع نہیں کیا کرتے۔

کائنات کی سعادتوں کا مخزن :

کائنات کی جتنی سعادتیں ہیں اللہ تعالی نے ان کو اس آیت میں بھر دیا ہے مِنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصَّالِحِیْنَ نبیین اور صدیقین دونوں کا علم سے زیادہ تعلق ہے۔ ایک نبوت کا دعویٰ کرنے والے اور دوسرے دعویٰ کی تصدیق

کرنے والے۔ شہداء اور صالحین کا عمل سے زیادہ تعلق ہے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تمام تر سعادتوں کو علم و عمل میں سمو دیا ہے۔ جب علم بغیر عمل کے ہوتا ہے تو بھی نقصان دیتا ہے اور جب عمل بغیر علم کے ہوتا ہے تب بھی نقصان دیتا ہے۔

حضرت یوسفؑ فرش سے عرش پر:

یاد رکھئے کہ جب علم پر عمل ہوتا ہے تو یہ ایک قوت بن جاتی ہے۔ اس کی دلیل کیلئے قرآن پاک سے دو واقعات بیان کر دیتا ہوں۔ ایک حضرت یوسفؑ کا کہ جب آپ کو علم حاصل نہیں ہوا تھا تو اس وقت مصر کے بازار میں ایک بکاؤ مال کی طرح آپ کی قیمت لگ رہی تھی۔ لیکن جب اللہ نے آپ کو علم عطا کیا اور اس علم پر آپ کا سو فیصد عمل ہوا تو اللہ رب العزت نے آپ کو فرش سے اٹھا کر عرش (تخت) پر بٹھا دیا۔ اور آپ کے بھائی جو علم پر عمل نہ کر سکے 'وہ جانتے تھے کہ اگر ہم یوسفؑ کو قتل بھی کر دیں گے تو یہ زیادتی ہوگی' مگر چونکہ دل میں حسد تھا اس لئے کہنے لگے' اُقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِاطْرَحُوْهُ اَرْضًا یَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْ بَعْدِهٖ قَوْمًا صَالِحِیْنَ کہ اس کو قتل کر کے اس کا معاملہ نمٹا دو اور بعد میں توبہ کر کے نیک بن جائیں گے۔ بہر حال انہوں نے نفس کی مانی اور ایک کنوئیں میں پھینک دیا۔ معلوم یہ ہوا کہ جو آدمی علم پر عمل نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ گناہ تو میں کروں گا بعد میں توبہ کر لوں گا' اس کا معاملہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں والا ہے۔

دوسری طرف دیکھیں کہ حضرت یوسفؑ پر امتحان تھا۔ وہ اس امتحان میں فوراً کہہ اٹھے معاذاللہ میں اللہ رب العزت سے پناہ مانگتا ہوں۔ اِنَّهٗ رَبِّیٓ اَحْسَنَ مَثْوٰیَ جب آپ خوف خداوندی کے سبب اس گناہ سے بچ گئے' تو اللہ رب العزت نے فرمایا کہ ہاں وہ

ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔ اس کے بعد آپ پر ایک اور آزمائش آئی کہ آپ کو سالوں کیلئے جیل میں جانا پڑا۔ بالآخران تمام مصائب سے گزر کر ایک وہ وقت بھی آیا آپ کو جیل سے نکال کر تخت پر بٹھا دیا گیا۔ پوری قوم قحط میں مبتلا ہو گئی۔ حضرت یوسف ؑ کے بھائی قحط سالی میں گرفتار ہو کر پریشانی میں پھنس گئے۔ اور آپ کے پاس چل آئے۔ خدا کی شان دیکھئے کہ دونوں طرف ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں' ادھر بھی نبی زادے اور یہ پیغمبر علیہ السلام بھی نبی زادے' مگر عمل کے فرق سے رتبہ میں کتنا فرق پڑ گیا! کہ وہ لینے والے' یہ دینے والے' وہ فرش پر کھڑے ہیں یہ عرش (تخت) پر بیٹھے ہیں۔

جب بھائی مصر پہنچے تو انہوں نے سمجھا کہ یہ عزیز مصر ہیں۔ چنانچہ وہاں جا کر کہنے لگے 'يَا يُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُزْجٰةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ کہ ہمیں اور ہمارے اہل خانہ کو تنگدستی نے پریشان کر دیا ہے اور ہم پیسے بھی تھوڑے نہیں لائے اور ہمیں غلہ پورا دے دیں۔ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ہمارے اوپر صدقہ و خیرات کر دیں اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ اللہ صدقہ دینے والوں کو جزا دیتا ہے۔ جب یوسف ؑ نے دیکھا کہ معاملہ ایں جا رسید' تو پوچھا کہ مَافَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ ؟ تم نے یوسف ؑ کے ساتھ کیا کیا تھا؟ وہ حیران ہو گئے۔ کہنے لگے ءَ اِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ کیا آپ یوسف ہیں؟ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ ہاں میں یوسف ہوں وَ هٰذَآ اَخِيْ یہ میرا بھائی بنیامین ہے' قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا تحقیق اللہ تعالی نے ہم پر احسان کیا۔ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ بیشک جو اپنے اندر تقوی اور صبر و ضبط پیدا کرتا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ اللہ رب العزت ایسے نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کیا کرتے۔ ہر دور اور ہر زمانہ میں یوسف ؑ کے بھائیوں کی طرح جو آدمی توبہ کی امید پر گناہ کرے گا

اس کو فرش پر کھڑا کیا جائے گا اور جو یوسفؑ کی مانند گناہوں سے بچ کر زندگی گزار۔
اللہ رب العزت اسے تاج و تخت عطا فرمائیں گے۔

ملکہء بلقیس کا تخت علم کے پروں پر :

دوسرا واقعہ حضرت سلیمانؑ کا کہ آپ نے اپنے ماننے والوں سے فرمایا کہ ملکہ بلقیس کا تخت کون اٹھا کر لائے گا؟ ایک جن نے عرض کیا' اے اللہ کے نبی! میں ا۔ آپ کے پاس پہنچا سکتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ اپنی جگہ سے کھڑے ہوں۔ آپ۔ فرمایا' یوں تو بہت دیر لگ جائے گی' کوئی اور بات کرے۔ پھر ایک شخص آصف بن بر عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ جس کے پاس کتاب کا علم تھا' کھڑے ہوئے اور اللہ نے ا کو علم و عمل اور معرفت کا نور عطا کیا تھا' اس کی بنیاد پر کہنے لگے' اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ میں آپ کے پاس پہنچا دیتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ اپنی پلک جھپکیں' فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّىْ جب پلک جھپک دیکھا تو سامنے تخت موجود تھا۔ فرمانے لگے' یہ تو میرے رب کا فضل ہے۔ تو معلو ہوا کہ جس علم پر انسان عمل کر لیتا ہے وہ اللہ کا فضل بن جاتا ہے۔

اخلاص اور استغناء کی ضرورت

عوام الناس کی اصلاح سے زیادہ علماء کی اصلاح کی ضرورت ہے' کیونکہ عو الناس کی کوتاہی دین پر دھبہ نہیں بنتی جبکہ علماء کی کوتاہی کا دھبہ دین پر ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ایک بچی نے نصیحت کی جو میں بھول نہیں سکتا۔ کسی نے کہا' وہ کونسی نصیحت؟ فرمایا' بارش ہوئی تھی' میں جا رہا

منے سے ایک بچی آ رہی تھی' میں نے بچی سے کہا' بیٹی! ذرا سنبھل کر چلنا کہیں پھسل
ر نہ پڑو۔ کہنے لگی' اچھا مجھ سے زیادہ آپ سنبھل کر چلنا' میں گری تو اکیلی گروں گی
آپ گر گئے تو پوری قوم گر جائے گی۔

مجمع میں جو علماء بیٹھے ہیں وہ ذرا دل کے کانوں سے سنیں' امید ہے کہ آپ اس بات
سوس نہیں فرمائیں گے۔ اس بات کا پہنچانا بھی ضروری ہے اگرچہ بری بھی لگے'
وری تو نہیں کہ دوائی ہمیشہ میٹھی ہو' کبھی کڑوی بھی تو ہوتی ہے' بلکہ کڑوی دوائی تو
ہ فائدہ دیتی ہے' جلدی خون صاف کرتی ہے۔ اگر علماء طلباء میں سے کوئی یہ بات
، کہ انہوں نے یہ کیسی بات کہہ دی ہے' تو ہاں میرے دوست! بات ایسی ہی ہے' جی
ہی مانے تو پھر بھی اس کو اپنے دل میں جگہ دے دو' آج نہیں تو زندگی کے کسی موڑ پر
ں سمجھ آ جائے گی۔ وہ بات یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے' اسے چاہئے کہ
بے اندر اخلاص اور استغناء پیدا کرے کیونکہ یہ اس راستہ کا تیسرا اور اہم ترین قدم
ے۔

م کی شان :

محترم علمائے کرام! علم استغناء کے ساتھ سجتا ہے۔ اگر استغناء نہ ہو تو پھر علم کی
ن نہیں رہتی۔ اس لئے علماء کو چاہئے کہ استغناء کے ساتھ زندگی گزاریں' لوگوں
جیب پر نظر رکھنے کی بجائے اللہ کے خزانوں پر نظر رکھیں۔ رزق انکو مسجد کمیٹی
ں دے گی بلکہ اللہ تعالیٰ دے گا۔ یہ وہاں سے کھائیں گے جہاں سے اللہ تعالیٰ اپنے
ء کو کھلایا کرتے تھے کیونکہ یہ انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ آج امت میں اسی وجہ
، فساد پھیلا ہوا ہے کہ علماء میں حرص پیدا ہو چکا ہے۔ کئی جگہوں پر حق کی بات اس
ے نہیں کہیں گے کہ کمیٹی کیا کہے گی' فلاں محلہ والے کیا کہیں گے۔ نہیں' استغناء

کے ساتھ کام کرنا ہی سجتا ہے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا استغنائے قلبی :

انسان جب استغناء کے ساتھ کام کرتا ہے تو دنیا اس کے پیچھے بھاگتی ہے
حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو آدمی مجھے محتاج سمجھ کر ہدیہ پیش
کرے، میرا دل اس کا ہدیہ قبول کرنے کو نہیں کرتا' البتہ سنت سمجھ کر پیش کرے
میں اسے ضرور قبول کروں گا۔ ایک دفعہ ایک آدمی نے آکر آپ کو ہدیہ پیش کیا۔ آ
نے محسوس کیا کہ یہ تو احسان چڑھا کر ہدیہ دے رہا ہے۔ چنانچہ آپ نے انکار کر دیا۔
وہ بھی پیچھے لگا رہا کہ حضرت! قبول کیجئے' حضرت! قبول کیجئے۔ حضرت نے دو چار د
کے بعد اس کو سختی سے ڈانٹ دیا کہ نہیں' میں قبول نہیں کروں گا۔ جب اس نے دیکھ
کہ چہرہ پر جلال ہے تو پیچھے ہٹ گیا۔ جب مسجد سے باہر نکلنے لگا تو اس کی نظر حضر
کے جوتوں پر پڑی۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ حضرت جب باہر نکلیں گے تو جو
تو پہنیں گے ہی سہی' چنانچہ اس نے وہ پیسے حضرت کے جوتوں میں رکھ دیئے۔ جب
حضرت مسجد سے باہر نکلے اور پاؤں جوتے میں رکھا تو اس میں پیسے تھے۔ آپ نے دیکھ
اور مسکرا کر فرمایا کہ یہ وہی پیسے ہیں جو وہ آدمی ہدیہ میں پیش کر رہا تھا' پہلے سنا کر
تھے اور آج آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جو انسان دنیا کو ٹھوکر لگاتا ہے دنیا اس کے جو تو
میں آیا کرتی ہے۔

حضرت اقدس تھانویؒ کا استغنائے قلبی :

حضرت اقدس تھانویؒ سے ایک نواب صاحب بیعت ہو گئے۔ بڑے مال پ
والے تھے۔ اس دور میں جب استاد کی تنخواہ پانچ روپے ماہانہ ہوا کرتی تھی اس
حضرت کو ایک لاکھ روپے بھجوایا۔ حضرت نے اس کے خط کی تحریر سے محسوس کیا

یہ تو احسان جتلا کر پیش کر رہا ہے۔ حضرت نے منی آرڈر واپس کر دیا۔ جب منی آرڈر واپس گیا تو وہ تو سٹپٹا گیا۔ اس نے پھر خط لکھا۔ کہنے لگا' حضرت! میں نے بیعت ہو کر آپ کو ایک لاکھ روپیہ ہدیہ پیش کیا' آپ کو ایسا مرید اور کہیں نہیں ملے گا۔ حضرت نے خط پڑھا اور جواب میں لکھا کہ اگر مجھے تجھ جیسا مرید نہیں ملے گا تو تجھے بھی مجھ جیسا پیر نہیں ملے گا جو تیرے لاکھ روپے کو ٹھوکر مار دے۔

ایک دلچسپ اصلاحی مکالمہ :

ایک صاحب اس فقیر کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم تو یہ بھی کرتے ہیں وہ بھی کرتے ہیں' یہ بھی مناتے ہیں وہ بھی مناتے ہیں'۔ فقیر نے کہا، جی کیوں مناتے ہیں؟ کہنے لگا' جی حرج ہی کیا ہے؟ فقیر نے اسے کہا' بھئی! آپ کے پاس اگر ایک خوبصورت قالین ہو اور آپ اس کے اوپر ٹاٹ کا پیوند لگا دیں تو کیا اچھا لگے گا؟ کہنے لگا' ہاں اچھا تو نہیں لگے گا لیکن اس میں حرج ہی کیا ہے؟ فقیر نے سوچا کہ یہ بیچارہ عقل سے خالی نظر آتا ہے اس لئے اسے کسی اور طرح سے بات سمجھانی پڑے گی۔ چنانچہ فقیر نے پوچھا' جی آپ کا نام کیا ہے؟ کہنے لگا عبد الرحمٰن۔ فقیر نے کہا' اچھا میں آج کے بعد آپ کو عبد الرحمٰن بیوقوف کہا کروں گا۔ جب فقیر نے یہ بات کی تو کہنے لگا' آپ ایسا کیوں کہیں گے؟ فقیر نے کہا' حرج ہی کیا ہے؟ اگر یہی دلیل ہے کہ حرج ہی کیا ہے تو جناب آئندہ سے آپ کو عبد الرحمٰن بیوقوف کہا کریں گے۔ کہنے لگا، نہیں نہیں' میرا نام تو عبد الرحمٰن ہے۔ فقیر نے کہا، جیسے تجھے اپنے نام کے ساتھ کوئی لفظ پسند نہیں جو اس میں عیب پیدا کر دے تو اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے محبوب ﷺ کی سنت کے ساتھ ایسی بات پسند نہیں جو اس کے ساتھ بدعت کا پیوند لگا دے۔

یاد رکھئے! کسی قوم میں جب کوئی بدعت آجاتی ہے تو اللہ رب العزت اس کے

مقابل کی ایک سنت اس قوم سے اٹھا لیتے ہیں اور قیامت تک اس سنت کو اس قوم میں واپس نہیں لوٹایا کرتے۔ لہذا بدعت سے بچنا اور سنت کے راستہ پر چلنا بہت ضروری ہے۔ اللہ رب العزت جزائے خیر دے ہمارے اکابرین کو کہ وہ نہ تو افراط میں پڑے نہ تفریط میں بلکہ ایک ہاتھ میں علم اور دوسرے ہاتھ میں عمل لے کر سنت کے راستہ پر چلتے جا رہے ہیں۔ یہی صراط مستقیم ہے' اللہ رب العزت ہمیں اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین

ایک نکتہ کی وضاحت :

ایک نکتہ بھی سمجھ لیجئے کہ جب علم بھی کامل ہوگا اور عمل بھی کامل ہوگا تو پھر آپ کو جوڑ نظر آئے گا ورنہ توڑ نظر آئے گا۔ سچے عالم کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ صوفیاء کا قدردان ہوگا اور سچے صوفی کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ علماء کا قدردان ہوگا۔ لکھ لیجئے سینے پر جب علم بھی ناتمام ہوگا اور عشق بھی ناتمام ہوگا تو وہ دونوں آپس میں ٹکراتے نظر آئیں گے۔ ایک واقعہ سنا کر بات مکمل کرتا ہوں۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی محفل سماع کا منظر :

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ بڑے صاحب جذب اور صاحب حال بزرگ تھے۔ وہ نعت سننے کے بڑے شوقین تھے۔ نعتیہ کلام سن کر ان پر وجد طاری ہو جاتا تھا۔ اس دور میں اسی کو محفل سماع کہا جاتا تھا۔ سارنگیاں' طبلے اور مزامیر نہیں ہوتے تھے' یہ یار لوگوں نے بعد میں شامل کر لیں اور نام بزرگوں کا لگا دیا۔ ذرا کتابیں پڑھ کر تو دیکھو کہ اس وقت محفل سماع کن محفلوں کو کہا جاتا تھا۔ عوارف المعارف میں لکھا ہے کہ جس میں مزامیر ہو وہ سماع سننا حرام ہے' جہاں مرد اور عورتیں اکٹھے ہوں وہاں بیٹھنا حرام ہے۔ فرماتے ہیں کہ سماع وہ بندہ سن سکتا ہے جس کو ایک طرف اشعار سنائے جائیں اور

دوسری طرف بھوک لگی ہوئی ہو اور کھانا رکھا ہو اور اس کی طبیعت کو کھانے کی طرف رغبت کم ہو اور ان عشقیہ اشعار کی طرف اس کی رغبت زیادہ ہو۔ یہ اس دور کی محفل سماع تھی، آج کے دور کی نہیں۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ جب عشقیہ اشعار سنتے تو ان پر جذب کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ اس دور میں حکیم ضیاء الدین سنامیؒ ایک بزرگ تھے جن کو وقت کے بادشاہ نے محتسب اعلی متعین کیا ہوا تھا۔ ان کا کام یہ تھا کہ جہاں خلاف شرع کوئی کام دیکھیں اس پر تنقید کریں اور اس کو روک دیں۔ ان کو قاضی کہا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ ہر وقت اسی تاک میں رہتے تھے کہ کوئی ایسی بات جو دین کے خلاف ہو تو اس کو کسی طرح ختم کر دیا جائے۔

ایک دفعہ ان کو پتہ چلا کہ جناب خواجہ نظام الدین اولیاءؒ شہر سے باہر ایک جگہ محفل لگائے بیٹھے ہیں۔ جب یہ اپنے عملے کو لیکر وہاں پہنچے تو دیکھا کہ اشعار پڑھے جا رہے ہیں اور لوگ جذب میں حال بے حال ہیں' ان کو کچھ پتہ نہیں' بڑے اچھل کود رہے ہیں۔ تھوڑی دیر تو انہوں نے برداشت کیا مگر انہوں نے کہا کہ اس کو روکنا چاہئے' یہیں کام اس سے آگے نہ بڑھ جائے۔ چنانچہ انہوں نے ان کے خیموں کی رسیاں کٹوا دیں۔ مگر دیکھا کہ وہ خیمے اسی طرح کھڑے ہیں' نیچے نہیں گرے۔ حکیم ضیاء الدین سنامیؒ نے کہا کہ یہ سچے حال میں ہیں جو عشق و محبت کے ساتھ ایسا کر رہے ہیں۔ لہذا خاموشی سے واپس آگئے۔ تاہم وہ کہتے تھے کہ میں اسے بدعت سمجھتا ہوں۔

حکیم ضیاء الدین سنامیؒ اور سنت کا ادب :

کچھ عرصہ کے بعد حکیم ضیاء الدین سنامیؒ بیمار ہو گئے۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ کو پتہ چلا تو آپ نے سوچا کہ وقت کے اتنے بڑے عالم ہیں اور متبع سنت ہیں اس لئے

مجھے ان کی عیادت کیلئے جانا چاہئے۔ چنانچہ آپ ان کی عیادت کیلئے ان کے دروازہ پر پہنچے۔ دستک دے کر اندر پیغام بھیجا کہ میں آپ کی عیادت کے لئے آیا ہوں۔ حکیم ضیاء الدین سنامیؒ نے جواب بھجوایا کہ میرا آخری وقت ہے، معلوم نہیں کہ کس وقت میری جان نکل جائے، میں اپنے آخری وقت میں کسی بدعتی کی شکل دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ اب کیسا سخت جواب تھا۔ لیکن خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سمجھ رہے تھے کہ سنت کی محبت میں بات کر رہے ہیں، اس لئے انہوں نے فوراً جواب بھجوایا کہ ہاں بدعتی آپ کے دروازے پر آیا ہے مگر بدعت سے توبہ کرنے کیلئے آیا ہے۔ جب یہ پیغام حکیم ضیاء الدین سنامیؒ کو ملا تو لیٹے ہوئے فوراً اٹھ بیٹھے اور اپنا عمامہ سر سے اتارا، شاگرد سے کہا، کہ میرے بستر سے لے کر میرے دروازے تک اس عمامہ کو بچھا دیجئے اور حضرت سے کہئے کہ اپنے جوتوں سمیت عمامہ پر چلتے ہوئے تشریف لائیے۔

لہذا ثابت ہوا کہ جب علم بھی کامل ہو اور عمل بھی کامل ہو تو ایک دوسرے کا اکرام ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں علم اور عمل عطا فرمائے اور اس میں اخلاص پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ تین درجے حاصل کرنے پر انسان کو اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت ہم فرقت زدوں کو بھی اپنا وصل نصیب فرمادے۔ (آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥